

لاشعور کے دائرے اور ان کی روز افزوں وسعتیں
(ژونگ کی نفسیات کے تناظر میں)

ڈاکٹر فرزانہ ریاض

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر جاوید اقبال جاوید

شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Unconscious, firstly focused by Freud, was laterly given so many para-psychological extensions by the famous contemporary psychologist of Freud: C.G Jung. Jung was never reluctant to change or add up into the concept of unconscious, he initially defined. This article shows how the concept of unconscious evolutionised in his system of psychology (Psychology of complexes) that, for sure, inspired the infinite realm of literature and other social sciences.

”لاشعور کو ٹھٹھلانے کے نتائج عمومی طور پر ناسعید ہوتے ہیں؛ اس کی جنسی قوتوں کے خلاف، اگر مسلسل مزاحمت کی جائے، تو یہ رد عمل کے طور پر مزید شدت سے سر اٹھاتی ہیں۔۔۔ شعور کا لاشعور کی جانب رویہ جتنا منفی ہو گا، موخرالذکر (لاشعور) اتنا ہی سرکش ہوتا جائے گا۔“

ژونگ (۱۹۵۰) (۱)

”عام اصول یہ ہے کہ شعور کا رویہ جس قدر منفی، اس کی مزاحمتی طاقت جتنی زیادہ، اس کی ناقدر شناسی اور انجانا خوف (لاشعور کے حوالے سے) جتنا روز افزوں ہو گا، افتراقی مواد (لاشعور) کا چہرہ اتنا ہی متنفر، اشتعال انگیز اور خوف ناک ہو گا۔“ ژونگ (۱۹۳۵) (۲)

”ہم جانتے ہیں کہ لاشعور کا نقاب / ماسک ناقابل تغیر نہیں ہوتا، یہ دراصل ہمارے انداز نظر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جارحیت اسے وحشت ناک رخ دیتی ہے جب کہ دوستی و محبت اس کے خدوخال سنوارتی ہے۔“ ژونگ (۱۹۳۳) (۳)

”نفسی اہداف شعوری اہداف سے آگے واقع ہوتے ہیں؛ دراصل، یہ ان کے لیے (یعنی شعوری اہداف کے لیے) نامہربان بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہمارے علم میں ہے، لاشعور شعور کے رستے میں صرف اسی صورت میں بے مروت اور سنگ دل رکاوٹ بنتا ہے جب شعور لاشعور کے بارے میں غلط اور نمائشی مطمح نظر اختیار کرتا ہے۔“ ژونگ (۱۹۳۳) (۴)

اوپر دیے گئے جتنے جتنے اقتباسات لاشعور کی موجودگی، اس کی ہیئت و نوعیت اور شعور و لاشعور کی باہمی کشمکش کے حوالے سے جی سی ژونگ کے نقطہ نظر کو، کسی حد تک، سمجھنے کے لیے درج کیے گئے ہیں۔ زیر نظر مقالے کا مقصد ژونگ کی نفسیات کے تناظر میں لاشعور کی ماہیت اور اہداف و مقاصد کو سمجھنا سمجھانا اور ادب میں اس کے تقابل کو سمجھنے کی کوشش ہے، مزید یہ بھی کہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں لاشعور کو وہ کون سا مقام دے سکتے ہیں جو اس کے شایان شان ہے اور اس کی تخلیقی توانائیوں کو استعمال کرتے ہوئے حیات و کائنات کی گتھیوں کو کیوں کر سلجھا سکتے ہیں (۵)۔ اس مختصر مقالے کی انفرادیت و خوبی (اگر کوئی ہے) یہ ہے کہ اس میں ژونگ کے اُن اہم اقتباسات (۸۵ اقتباسات) کو ایک جگہ مجتمع کیا گیا ہے، جو لاشعور کے حوالے سے اس کے کلیات کے وسیع ذخیرے (۲۰ جلدیں)

میں بکھرے پڑے ہیں، لہذا ان کو ایک ہی مقام پر، مجموعی حوالے سے دیکھنے کی کوشش، نہ صرف اس کی تفہیم کے لیے ناگزیر ہے، بل کہ اپنے طور پر شاید یہ اُردو زبان میں ڈونگ کے حوالے سے اڈلین کاوش بھی ہے۔

لاشعور کی سب سے آسان تعریف تو یہ ہی ہے کہ ہر وہ چیز جو شعور کے منطقے سے باہر ہے اور جس سے ہم نا آشنا ہیں، لاشعور کی ملکیت کہلاتی ہے۔ لیکن پچھلی چار پانچ دہائیوں میں نفسیات کے شعبے میں جو حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے، وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ لاشعور کی تعریف صراحت و وضاحت اور سائنسی حوالے کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔

”شخصیت کا وہ حصہ، یا ذہن انسانی کا وہ تفاعل، جس سے کوئی انسان بلا واسطہ طور پر آگاہ نہیں ہوتا، دراصل اُس کے اُن لاشعوری (لیکن مُحرک و توانا) افکار، خواہشات اور اندیشوں کا نتیجہ ہوتا ہے، جو اپنے آپ کو بے بنیاد اوہام اور مخفی حالتوں وغیرہ میں ظاہر کرتے ہیں“ (۶)

ڈونگ اس امر سے بہ خوبی آگاہ تھا کہ مغرب کی فکری تاریخ میں لاشعور کے نفسیاتی اور فلسفیانہ معانی مضمحل ہیں۔ لہذا اپنے کلمات کی جلد ششم میں وہ رقم طراز ہے:

”میرے لیے لاشعور کا تصور فلسفہ کے مابعد الطبیعیاتی نوعیت کے تصور سے کئی گنا قیمتی ہے اور اس کی حیثیت خصوصی طور پر ’نفسیاتی‘ ہے۔ میری دانست میں نفسیات میں لاشعور وہ سرحدی (Borderline) تصور / نظریہ ہے جس کی حدود میں وہ تمام نفسی عوامل اور عناصر شامل ہیں جو شعور کی بحث سے خارج ہیں یعنی جو کسی قابل ادراک حوالے سے ایگو (Ego) سے متعلق نہیں ہیں“ (۷)

ڈونگ چوں کہ تجربیت پسند تھا، لہذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس نے اپنی تعریف کو نئے تجربات سے آشنا کیا، اور اس عمل کے دوران اس بات کو بہ طور خاص محسوس کیا کہ اُس کی تعریف ”سادہ اور خالص تجربے“ پر مبنی ہے (۸)۔ یہ وہ تجربہ تھا جس نے اُسے اپنے کام کے دوران سینکڑوں لوگوں کے اعمال میں ”لاشعوری عوامل کی موجودگی کا ثبوت“ (۹) فراہم کیا تھا۔ ان تمام تجربات کے ذریعے ڈونگ اپنی تعریف کو وسعت آشنا کرنے میں کامران ہوا، اب اُس نے لاشعور کو ان مختلف پیرائیوں میں بیان کیا:

”تمام طرح کی برائیوں کا منبع۔ اور ساتھ ہی ساتھ تمام اُلویہ کیفیتوں کا ابتدائی مواد“ (۱۰)

”ایک فطری وجود“ (۱۱)

”ارفع ترین نیکی کا ماخذ“ (۱۲)

”ایک منفرد راہنما“ (۱۳)

”لبیدو (نفسی/جنسی توانائی) کا سرچشمہ، جہاں سے سبھی نفسی دھارے پھوٹتے ہیں“ (۱۴)

”ایک لا محدود سطح کے تجربے کا دائرہ عمل۔ ایک خود مختار اور زرخیز سرگرمی۔ جس کی اپنی ہی حقیقت ہے۔۔۔“ (۱۵)

لاشعور کو ”انفرادی طور پر حاصل کیے گئے مواد/عناصر کی اقلیم۔“ (۱۶) بھی سمجھا گیا اور اپنے اکثر مضامین میں ڈونگ نے، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق اکیمائی مطالعات سے ہے، ان میں سے کچھ اجزا کی نشان دہی بھی کی ہے۔

میں نے اوپر ”چند“ اجزا کا تذکرہ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈونگ کو بہت جلد ہی اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ ”لاشعور کی حدود بندی ناممکنات میں سے ہے، یعنی یہ اپنے باطن میں کن کن اجزا کو سمیٹے ہوئے ہے، اس نوع کے سوالوں کا جواب صرف عمیق داخلی تجربہ ہی دے سکتا ہے۔“ (۱۷) یعنی ان مخصوص اجزا کی نشان دہی دراصل انفرادی سطح پر ہر متعلقہ شخص کے ساتھ کام کر کے ہی متعین کی جا سکتی ہے، لیکن ان میں سے بعض اجزا ہر عام انسان کے خوابوں، واہموں اور فعال تخیلات میں پائے جاتے ہیں مثلاً شیڈو،

لینیا، اینیس، (۱۸) اور آرکی ٹائپل علامتیں۔ (۱۹) مثالی تمثال (خصوصاً والدین کے) اور خود کار کو پلکس بھی ان ہی کا حصہ ہیں۔ (۲۰) جن عناصر کو لوگ دباتے / چھپاتے ہے، وہ بھی مخصوص نوعیت کے ہوتے ہیں: اضطراری تحریکات (۲۱)، نا خوشگوار امنگیں (۲۲)، یادیں (۲۳)، شخصی رجحانات یا منصوبے (۲۴)، بے بنیاد خوف، وہم آمیز تصورات، عیوب و نقائص کے اندیشے (۲۵) اور مختلف التباس (۲۶) وغیرہ۔ یہاں تک کہ بعض اوقات لاشعوری مواد کے ساتھ 'برائی کے عناصر' بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ (۲۷) بعض اوقات لاشعور اپنا اظہار ہماری خارجی زندگی میں بھی کرتا ہے، کیوں کہ یہ "مزاجی تبدیلیوں، گوناگون اثرات، اندیشوں، وہم آمیز تصورات، فکری پسپائیوں اور منصوبوں" کے حوالے سے نئی صورتیں اختیار کرتا رہتا ہے (۲۸)۔ داخلی حقیقتوں کی ان خارجی ظہور پذیر یوں کی تفہیم سے ہی ڈونگ کسی شخص کے لاشعور تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

لاشعور کا بہت سا مواد 'شخصی' ہوتا ہے، جس کا تعلق کسی مخصوص شخص کی ذاتی تاریخ اور نجی تجربے سے ہوتا ہے۔ علاوہ بریں ڈونگ نے ان 'لاشعوری اجتماعی اجزا' کی بھی نشان دہی کی جو 'موروثی گروہ بندیوں یا آرکی ٹائپ' کی صورت میں موجود ہوتے ہیں (۲۹) اور عام اور غیر تربیت یافتہ شخص ان کی موجودگی سے بے خبر ہوتا ہے۔ خود ڈونگ نے اپنے کیریئر کے ابتدا ہی میں ایک مریض کے ذریعے اس بات کو سمجھ لیا، وہ اپنے برگولزی کلینک میں انتشار نفس (Schizophrenia) کے ایک مریض کا معائنہ کر رہا تھا، اس آدمی نے ڈونگ کو بتایا کہ اُس نے سورج کی 'دم' دیکھی ہے، یہ دراصل متھرائی عبادت (Mithraic) کی ایک علامت تھی، خود ڈونگ اُس وقت اس چیز سے آگاہ نہیں تھا۔ مریض نہ تو ان قدیم مذاہب کو جانتا تھا اور نہ ہی اُن تک رسائی کا کوئی دوسرا راستہ ممکن تھا۔ لہذا ڈونگ یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ یہ علامت دراصل اُس شخص کے لاشعور کی گہرائی میں پہلے ہی سے موجود تھی۔

منفی، منفی، مثبت، شخصی، اجتماعی۔ غرض کہ لاشعور میں وہ تمام عناصر و قوتیں شامل ہوتے ہیں جنہیں یا تو یکسر بھلا دیا جاتا ہے یا دیدہ دانستہ طور پر پس پشت ڈال دیا جاتا ہے، اس زنبیل میں صدیوں کی حکمت کے گنج ہائے گراں مایہ بھی پوشیدہ ہوتے ہیں، (۳۱)۔ نوع انسانی کی نفسی میراث لاشعور کی اسی تاریک وادی میں خفتہ ہے، اور اس میراث میں رنگ رنگ کے نمونے موجود ہیں؛ وہ بھی جن سے ہم کتراتے ہیں (مثلاً ہماری شخصیت کے تاریک رخ) اور وہ بھی جن کے ہم دل دادہ ہیں (مثلاً ہماری تخلیقی توانائی اور شخصیت کے روشن رخ)۔ یہ رویہ ہمیں لاشعور اور اُس کی نوعیت کو سمجھنے میں کافی حد تک معاون ہو سکتا ہے۔

کئی دہائیاں لاشعور کو سمجھنے کی کڑی کوششوں اور ریاضتوں کے بعد ڈونگ کو، بہ ہر حال، اس حقیقت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے کہ "لاشعوری عمل کی ماہیت اور جوہر کی کامل تفہیم جیسے نازک مسئلے کا جواب ڈھونڈنا ہنوز باقی ہے" (۳۲)۔ لہذا، اب جب کہ ہم لاشعور کا سو فی صد درست ادراک کرنے سے قاصر ہیں، ڈونگ نے ہمیں ایک عمومی خاکہ اور نقشہ مہیا کیا ہے جس کی مدد سے ہم لاشعور کی وسیع و بسیط سلطنت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر سکتے ہیں اور مستقبل قریب کے حوالے سے روشن امکانات کی اُمید رکھنے میں حق بہ جانب ہیں۔ ڈونگ نے لاشعور کی فطرت کو خود 'فطرت' سے تشبیہ دی ہے، یوں اس کی ماہیت 'غیر جانب دارانہ' (۳۳) ہے جسے اس نے 'تناقض آمیز سیرت' (۳۴) اور 'تضادی جوڑوں کے اتحاد' (۳۵)؛ مثبت، منفی، اچھائی، برائی، اندھیرے، اُجالے، حیوانی، شیطانی، ماورائی، روحانی اور خدائی وغیرہ سے منسوب کیا ہے (۳۶)۔ جب ہمارے اذہان، جن کی ایگو کا دائرہ اثر نسبتاً محدود ہوتا ہے، لاشعور کا سامنا کرتے ہیں تو پیراڈوکس (Paradox) پیدا ہوتا ہے (۳۷)۔ پیراڈوکس دراصل ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جس میں بہ یک وقت خیر و شر اور روحانی و شیطانی صفات (یعنی باہم متضاد صفات) موجود ہوتی ہیں۔ اب یہ بات بہتر طور پر سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ذہن کو محنت و مشقت سے دُور رکھنے لیے ہم کیوں کر لاشعور کا سامنا کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس فکری ایذا سے ہمہ دم پہلو بچائے رکھتے ہیں۔ ہمارے شعور کے نزدیک جو سوچنے سمجھنے کے رنگ ڈھنگ ہیں، لاشعور اُن کے مطابق 'نہیں سوچتا' اس کی ذہنیت 'جھلی' (۳۸) ہوتی ہے، اور یہی چیز اسے

عسیر الفہم بناتی ہے۔ مگر اس مشکل کو حجت کے طور پر پیش کر کے ہم لاشعور کو ’جھٹلانے‘ یا ’دبانے‘ کا جواز نہیں میلا کر سکتے۔ ڈونگ کا ذہن اس معاملے میں بالکل واضح تھا: لاشعور کو ”کسی صورت بھی ایسے نہیں دیا جا سکتا کہ اس کا نام و نشان مٹ جائے“ (۳۹) اور چوں کہ یہ اکثر صداقت کا ترجمان ہوتا ہے لہذا اسے ایک راہ نما اور امکانات کے زرخیز ماخذ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (۴۰)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ لاشعور شخصی و لاشخصی اور انفرادی و اجتماعی دونوں رُوپ اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ خود اختیار ہے، (۴۱) اس کا اپنا طریقہ کار اور جداگانہ تناظر ہے، (۴۲) یہ الگ بات ہے کہ ہم اس تناظر یا زاویہ عمل کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ اپنے تفاعل کے لیے (۴۳) ہمارے ارادے کا محتاج نہیں ہے (۴۴)، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ”انسانی حکم احکام سے بیگانہ“ (۴۵) اور ہمارے شعوری ذہن سے کئی زیادہ قوی ہے۔ (۴۶) یہ مسلسل متحرک اور توانا (۴۷) ہے اور لفظ آرام سے آشنا تک نہیں (۴۸)؛ یہ برابر اپنے کام میں جتا رہتا ہے، بناتا ہے بگاڑتا ہے (۴۹) اور ہمیں ”نئے نئے خیالوں اور علامتوں“ سے آشنا کرتا رہتا ہے (۵۰) یہ علامتیں اور تمثالیں ہمارے وقفہ حیات میں ابدی طور پر دل چسپ اور وثوق انگیز ثابت ہو سکتی ہیں (۵۱)۔

یہ سب اس لیے ہے کہ لاشعور ”اشیا کی تلافی کرنے والا اور ان میں باہم امتیاز کرنے والا“ (۵۲) عامل ہے، اس کا طریقہ واردات خود انضباطی ہے (۵۳) جس کے باعث یہ ہمارے ذہن میں ایک داخلی توازن برقرار رکھتا ہے، اور یوں اپنے اعمال میں یہ جسم کے اس اصول توازن (Homeostasis) کے مماثل ہے جو درجہ حرارت، بھوک، پیاس اور باقی بنیادی ضروریات کو اپنی اپنی حدود میں رکھتا ہے۔ ڈونگ نے اپنے طبی تجربے کے دوران اس بات کو متواتر سیکھا۔ مثلاً اگر مریض پریشانی کے عالم میں ہوتا ہے تو وہ ایسے خوابوں کے بارے میں بتاتا ہے جس میں ’اڑان یا مانوق الفطرت انسان‘ کا تذکرہ ہو، دراصل ایسی صورت میں لاشعور اس بات کی یاد دہانی کرا رہا ہوتا ہے کہ ’یہ سب بھی درست یا ممکن ہے‘۔ یعنی اگر وہی آدمی کسی وجہ سے پھولے نہ سہا/آپے میں نہ رہتا ہو تو عین ممکن ہے کہ اُسے اس نوع کے خواب آئیں جن میں وہ بلندی سے گر رہا ہو (۵۴)، یعنی ان سب کا مقصد یہ ہے کہ کسی صورت انسان کو حقائق کے ساتھ رہنا سکھایا جائے اور اُسے زمینی ضرورتوں سے ہم آمیز کیا جائے۔ اب مناسب ہے کہ لاشعور کے چند اہم مقاصد پر نظر ڈالی جائے:

۱۔ خود ضابطگی (۵۵)

ذہن کے نفسی توازن کو برقرار رکھنا، لاشعور کا ایک اہم تفاعل ہے۔ اصل میں یہ ہمارے شعوری رویے کی تلافی کی ایک صورت ہے، خصوصاً جب ہمارے شعوری اعمال یک رُنے یا غیر متوازن ہوں تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، ان وقتوں میں ہمارا لاشعور ہمیں اپنی بنیادی لیکن اہم ’جہلتوں‘ کے قریب رکھتا ہے اور یوں ہماری شخصیت کو، مجموعی طور پر، اپنی اصل نہاد (۵۶) اور کائناتی فطرت کے قریب رہنے میں مدد ملتی ہے۔ اس عمل کے دوران لاشعور ہمیں ذہنی طور پر صحت مند رکھنے کے لیے پوری تنگ و دو کرتا ہے اور یوں ہماری نفسیاتی نشوونما ہوتی ہے جو بالآخر ’عرفان ذات‘ پر منج ہوتی ہے (۵۷)۔

۲۔ شخصیت کا پھیلاؤ

لاشعور کا ایک اور نمایاں وصف ہماری شخصیت کے تخلیقی امکانات کو وسعت آشنا کرنا ہے (۵۸)، اس کام کے لیے لاشعور ہمیں اُن تخلیقی عناصر کی دریافت میں مدد فراہم کرتا ہے جو ہمارے دائرہ شعور کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ منور بھی کرتے جاتے ہیں: خواب، وابہ، وجدان، اور فعال تخیلات وہ عناصر ہیں، جن سے لاشعور ہمیں نئی نئی علامتوں، تمثالوں اور تصورات و امکانات کی ایک بسیط کائنات سے متعارف کرواتا ہے۔ نتیجتاً ہمارے ”فکری آفاق مزید گہرے اور نیل گوں“ ہوتے جاتے ہیں اور ہم اپنی روزمرہ نیم مردہ حالت سے دوبارہ تخلیقی زندگی کو لوٹتے ہیں (۵۹)۔

۳۔ افتراقِ نفس سے بچاؤ

جب ہماری شخصیت اپنی اصل پہچان اور شناخت سے کٹ کر ”ٹوٹ پھوٹ (Dissociation)“ یا عصبی اختلال (۶۰) کا شکار ہوتی ہے تو ایسے میں لاشعور اپنے مرہم سمیت (ناگزیر عناصر) شعور کے بے سائبان سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتا ہے اور اس بہ ظاہر بے معنی سے عمل سے اکثر مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ یوں ذہن شکست و ریخت کی تکلیف دہ صورت حال سے باہر نکل کر شخصیت کو سہارتا ہے (۶۱) اور ہمارے رویوں میں مثبت تبدیلیوں کا محرک بنتا ہے۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ بلاشبہ انسان نے لاشعور کی دریافت سے اپنی الجھنوں (۶۲)، اوہام اور داخلی تصرفات (۶۳) سے خاطر خواہ نجات پائی ہے۔

۴۔ شخصیت کی یک جائی

لاشعور ہمیں خود اپنے آپ کے لیے ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل بناتا ہے تاکہ ہم خود سے یک جا (۶۴) ہو سکیں اور اپنی اصل ذات (۶۵) کے ساتھ ہم آہنگ و ہم آمیز ہو سکیں (۶۶)۔ یوں لاشعور ”فردیت“ (۶۷) کی حصول میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔ میں نے ”سکتا“ اس لیے کہا ہے کہ لاشعور کے ان اہداف و مقاصد سے بھرپور فائدہ اٹھانے اور اس کے امکانات کو پوری طرح بہ روئے کار لانے کا انحصار دراصل، تمام کا تمام، ہمارے لاشعور کی طرف اپنے شعوری رویے پر ہے۔

لاشعور کی باز احساسی/باز ادراکی (Reperceiving)

لاشعور کی جانب ہمارے عمومی رویے نہ صرف غرابت بل کہ ”خوف آمیزی“ (۶۸)، ”انتہا کن حد تک نا قدری“ (۶۹)، ”دہشت زدگی“ (۷۰) اور ”شدید تنقیصی“ (۷۱) عناصر پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ ہمارے عام معاشرتی رویوں سے بہ خوبی ہوتا ہے؛ مثلاً جب کبھی دوست احباب میں خواہوں یا واہموں کے سائنسی مطالعات پر بات چیت ہوتی ہے تو اس کا شدید رد عمل ظاہر ہوتا ہے: ”یہ کتنی احمقانہ بات ہے!، بھلا ان چیزوں کو کوئی سمجھ سکا ہے، خدا را خود پر ترس کھاؤ، پاگل مت بنو۔ وغیرہ“ دراصل یہ اظہارات داخلی خوف کے عکاسی کرتے ہیں۔

”شعور کو لاشعور سے جتنے اندیشے لاحق ہیں“ (۷۲)، ”ڈونگ اُن سے آگاہ تھا،“ اس خوف کی نوعیت کافی قدیم ہے اور یہ ہر اُس چیز سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے جو لاشعور کے ساتھ متصل ہوتی ہے“ (۷۳)۔ ڈونگ کے مطابق یہ خوف پچھلی دو صدیوں سے کافی بڑھا ہے، جس کی وجہ ”سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا میں معجزاتی ترقی ہے“، دل چسپ بات یہ ہے کہ اس خوف کی وجہ خود یہ ترقی نہیں بل کہ ”خوف ناک حد تک حکمت و دانائی اور عمیق محاسبہ ذات سے محرومی“ (۷۴) ہے۔

یہ رواجی /روایتی ادراک، نتیجتاً ہمیں زندگی سے دُور عدم توازن، اجنبیت اور بد اندیشی کے صحرا کی طرف لے آیا ہے (۷۵)۔ ڈونگ نے اس صورت حال کو لگ بھگ پون صدی پہلے سمجھ لیا تھا، اسی لیے اس نے کھلے لفظوں میں تشبیہ کی تھی، ”لاشعور سے عدم اشتراک جبلت کی موت اور اپنی بنیاد سے محرومی کے مترادف ہے“ (۷۶)۔ اگر ہم ذہنی و نفسیاتی حوالے سے پھلنا پھولنا اور نشوونما پا کر فردیت کا حصول چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے رسمیاتی رویوں کے طوق کو گلے سے اتار کر پھینکنا ہو گا اور لاشعور کو کھلے دل سے گلے لگانا ہو گا۔

یہ ہر حال، یہ کام سہل نہیں ہے، ڈونگ بھی یہ جانتا تھا، ”لاشعور کے اس خوف پر قابو پانا اخلاقی حوالے سے بڑے دل گردے کا کام ہے“ (۷۷) اور ”لاشعور کو اپنے فطری انداز میں کام کرتے رہنے دینا اور اسے زندگی کی ایک بنیادی سچائی مان لینا اس عزم و ظرف کا متقاضی ہے، جس کی استعداد ایک اوسط درجے کے یورپی میں نہیں ہے“ (۷۸)۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس حوالے سے وہ ہم اہل مشرق کو گراں قدر جانتا ہے، ملاحظہ ہو اُس کے سیر ہندوستان کی روداد و

تاثرات، مشمولہ Memories, Dreams, Reflections، ٹونگ کا محولہ بالا بیان کئی حوالوں سے دل چسپ ہے، لیکن اس چھوٹے سے مضمون میں تفصیل کی گنجائش نہیں، ہاں یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ ٹونگ نے اس کام کو ”غیر معمولی استعداد“ کا کیوں کہا ہے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اول: لاشعور کو اپنی بہبود کے لیے کار آمد اور حقیقی سمجھ کر اُس کی از سر نو دریافت ایک خود مختار اور آزاد ذہن کی متقاضی ہے، ایک ایسے ذہن کی جو رسمی معاشرتی قدروں سے بیزار اور تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے لوگوں کا سوادِ اعظم اپنے اہداف سے بیگانہ بل کی ”دوسروں سے ہدایت یاب“ (۷۹) ہوتا ہے اور اس بھیڑ کے پاس خواب اور دروں بینی (لاشعور) جیسے قضیوں کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا۔ دوئم: لاشعور کی باز احساسی کا ایک مطلب اپنے شیڈو کی تفہیم ہے، (۸۰)، شیڈو اصل میں ہماری ذات کے وہ تاریک گوشے ہوتے ہیں، جن کو ہم اپنی ذات کا حصہ مانے بنا، دیکھنے، پہچاننے یا تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ اگر لاشعور کی تلافی ماہیت کو سامنے رکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اپنے شیڈو سے واقفیت، خصوصاً اُن کو لوگوں کے لیے زیادہ مسئلہ بنتی ہے جو بہت زیادہ مغرور، گھمنڈی اور انا پرست ہوتے ہیں، ان لوگوں کو اپنی لاشعوری قوتوں کو متوازن کرنے کی فوری اور ہنگامی ضرورت ہوتی ہے۔

سوم: اب سوال ہی پیدا ہوتا ہے کہ لاشعور کی یہ باز احساسی اتنی ناقابل اور گراں کیوں سمجھی جاتی ہے؟ اس سوال کا جواب اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ ایغو شعور کے کنزول کی دست برداری میں کسی قسم کا لطف محسوس نہیں کرتی۔ لاشعور کو اپنے رستے پر فطری حوالے سے چھوڑنے کے معنی اصل میں اس نا معلوم اور ناواقف داخلی وجود کو اپنے طبعی وجود کی پنہائیوں میں جگہ دینا ہے۔

روپوں میں تبدیلی کیوں ضروری ہے؟ ایک بات تو طے شدہ ہے کہ لاشعور کو دہانے یا نظر انداز کرنے کی بجائے، اگر اس کے مطالبات کو بہ گوشِ ہوش سنا جائے تو زندگی میں کافی بہتری آتی ہے۔ تجربات نے بار بار اس بات کو ثابت کیا ہے کہ زندگی کی وہ چھوٹی چھوٹی مشکلات جو دردِ سر بن جاتی ہیں، ان میں سے زیادہ تر کا تعلق لاشعور کی کج فہمی سے ہوتا ہے: لڑائی بھگڑے، مقابلے بازیوں، پیشہ ورانہ کام کے مسائل، بیماریاں، حادثے، طبیعت کی گرانی، بے چینی اور لایعنیت کا احساس۔۔۔ ان سب کا ربط لاشعور ہی سے ہوتا ہے۔ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ زندگی میں حادثے اور اتفاق بہت کم ہوتے ہیں، توقعات خود سے رونما نہیں ہوتے: ہم اپنی زندگی کے توے فی صد مسائل، اپنے لاشعور سے لاعلمی کی بنیاد پر، اپنے لیے خود پیدا کرتے ہیں۔ جب ”ہم لاشعور پر کسی قوت کا اطلاق نہیں کرتے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اُسے جو ابی حملے پر نہیں آکسارہے“ (۸۱)، لہذا اپنا رویہ تبدیل کرنے کا ایک سیدھا سا جواز تو یہی ہے کہ معیارِ زندگی میں تبدیلی لائی جائے۔ دوسرا جواز اس امکان کو کم کرنے میں ہے کہ لاشعور ہمارے شعوری ذہن کو مغلوب کر لے گا۔ (۸۲) اب یہ مغلوبیت کسی انسان کو مستقل سختال یا خبط میں بھی مبتلا کر سکتی ہے، (طبعی حوالے سے ایسی مثالیں عام ہیں) (۸۳)۔ دوسرے لفظوں میں روپوں میں تبدیلی اس لیے بھی ناگزیر ہے تاکہ نفسیاتی بیماریوں سے بچا جاسکے۔

تیسرا جواز اس نکتے میں پوشیدہ ہے کہ اگر ہم زندگی میں صرف شعور کو اہمیت دیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے آدھے پوٹنشل کو بہ روئے کار لا رہے ہیں (اور فروٹڈ کے بہ قول تو ۹۰ فیصد صرف لاشعور ہی ہے)۔ لاشعور کے بطون میں حقیقتاً وسیع امکانات، تخلیقی توانائیاں اور ہماری ”داخلی دنیاؤں“ کے جواہر پارولکے ساتھ ساتھ دانش و حکمت کی وہ ابدی روشنیاں موجود ہوتی ہیں جو بنی نوع انسان کی میراث ہیں (۸۴)۔ جب ہم لاشعور کی بازیافت کسی مثبت رویے (نہ کہ غیر جانب دارانہ حوالے) سے کرتے ہیں تو ہماری رسائی تخلیق کے لامحدود دھنیے تک ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی ذات کی بند درزوں کو بہ تدریج کھولتے ہیں اور یوں فردیت کے شاداب عمل کا آغاز ہوتا ہے، اپنے آپ پر آشکار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حقیقی ذات میں ڈھلنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

جب ہم لاشعور کو اپنی ذات کا حصہ مان کے اُسے خوش آمدید کہتے ہیں تو بہ قول ڈونگ ”انتشار ختم ہونے لگتا ہے اور ہم لاشعور کی خوش گوار جہات سے حظ اٹھانے لگتے ہیں۔ اب لاشعور ہمیں اپنی تمام تر اہلیتوں کو مجتمع کر کے اُن سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ یہ ہمیں وہ راستے سمجھاتا ہے، جن کی شعور کو خبر تک نہیں ہوتی، کیوں کہ اس کی زنبیل میں نفسی توانائیوں کے گم گشتہ خزانے اور قوتوں کی دانش و دانائی کے نیلم ریزے جگمگا رہے ہوتے ہیں“ (۸۵)

بہ الفاظِ دیگر زندگی اس سے کئی بہتر ہو جاتی ہے جتنا ہمارا ایلغو ذہن (اپنی محدود بھر بساط کے مطابق) سوچ سکتا ہے، اور اسی چیز کی آج کے انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

حواشی

نوٹ: حواشی میں ڈونگ کے [Collected Works]CW کو اردو میں سہولت کی خاطر ’کلیات‘، جلد نمبر فلاں‘ سے موسوم کیا گیا ہے۔

۱۔ کلیات، جلد نمبر ۵، ص ۴۰

۲۔ کلیات، جلد نمبر ۱۳، ص ۳۶۴

۳۔ کلیات، جلد نمبر ۱۲، ص ۲۹

۴۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۳۳۶-۳۳۵

۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

۶۔ Obsessions, Compulsions، ورلڈ بک ڈکشنری، ۲، ص ۲۱۱۹

۷۔ کلیات، جلد نمبر ۶، ص ۸۳

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ کلیات، جلد نمبر ۱۸، ص ۵۸۶

۱۱۔ کلیات، جلد نمبر ۱۶، ص ۳۲۹

۱۲۔ کلیات، جلد نمبر ۱۶، ص ۳۸۹

۱۳۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۱۹

۱۴۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۵۸

۱۵۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۹۲

۱۶۔ کلیات، جلد نمبر ۱۳، ص ۳۸۱

۱۷۔ کلیات، جلد نمبر ۶، ص ۸۳۸

۱۸۔ کلیات، جلد نمبر ۹ (۲)، ص ۶۲

۱۹۔ مثالی تمثال (Imago)، یہ اصطلاح خاص ڈونگ کی وضع کردہ ہے، یہ اصل میں کسی شخص (خصوصاً بچے) کے ذہن میں لاشعوری طور پر بننے والا وہ معیاری امیج ہوتا ہے جو وہ کسی دوسرے انسان، خصوصاً والدین، کے بارے میں ہوتا ہے۔ لڑکپن یا جوانی میں انسان اسی کے وضع کردہ معیارات کو سامنے رکھ کر کسی دوسرے کو اپنے لیے ’رول ماڈل‘ بناتا ہے۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۲۰

- ۲۰۔ (Autonomous Complexes) خود کار کو مپلکس اصل ہیں وہ جذباتی تصورات ہیں جن کو کسی وجہ سے ذہن میں دبا یا چھپا دیا جاتا ہے لیکن لاشعوری طور پر یہ دوسرے خیالات کے ساتھ مل کر نئی شکلیں بناتے ہیں اور انسان کے لیے دوسرے بنتے رہتے ہیں۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۸۷، ۹۵
- ۲۱۔ اضطرابی تحریکات (Impulses)، کلیات، جلد نمبر ۶، ص ۵۷
- ۲۲۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۱۸
- ۲۳۔ ایضاً
- ۲۴۔ ایضاً
- ۲۵۔ ایضاً، ص ۳۰۷
- ۲۶۔ ایضاً، ص ۳۷۳
- ۲۷۔ کلیات، جلد نمبر ۶، ص ۸۲
- ۲۸۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۳۰۷
- ۲۹۔ ایضاً، ص ۲۲۰
- ۳۰۔ کلیات، جلد نمبر ۵، ص ۱۳۹
- ۳۱۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۱۹۶
- ۳۲۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۱۹۳۲ والے ایڈیشن کا دیباچہ۔ ص ۱۲۴
- ۳۳۔ غیر جانبدارانہ (neutral)، کلیات، جلد نمبر ۱۸، ص ۱۵۸۶
- ۳۴۔ تناقص آمیز سیرت (Antinomical Character)، کلیات، جلد نمبر ۹ (۲)، ص ۳۵۵
- ۳۵۔ تضادی جوڑوں کا اتحاد (Complexico Oppositorum)، ایضاً
- ۳۶۔ کلیات، جلد نمبر ۱۶، ص ۳۸۹
- ۳۷۔ کلیات، جلد نمبر ۱۸، ص ۱۵۸۶
- ۳۸۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۸۹
- ۳۹۔ ایضاً، ص ۲۴۷
- ۴۰۔ کلیات، جلد نمبر ۶، ص ۸۳ اور کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۱۹۷-۱۹۶
- ۴۱۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۳۸۷
- ۴۲۔ کلیات، جلد نمبر ۱۲، ص ۶۰
- ۴۳۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۹۲
- ۴۴۔ کلیات، جلد نمبر ایضاً، ص ۳۴۵
- ۴۵۔ ایضاً
- ۴۶۔ ایضاً، ص ۳۷۰
- ۴۷۔ ایضاً، ص ۱۹۵

۲۵۸۔ ایضاً، ص ۲۵۸

۲۷۳۔ ایضاً، ص ۲۷۳

۲۹۲۔ ایضاً، ص ۲۹۲

۳۶۱۔ ایضاً، ص ۳۶۱

۲۴۷۔ ایضاً، ص ۲۴۷

۲۵۷۔ ایضاً، ص ۲۵۷

۵۴۔ کلیات، جلد نمبر ۸، ص ۱۶۳ اور کلیات، جلد نمبر ۱۸، ص ۲۶۹

۵۵۔ خود ضابطگی (Self Regulation)، کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۵۷

۱۹۵۔ ایضاً، ص ۱۹۵

۵۷۔ عرفان ذات (Self Realization)، ایضاً، ص ۲۱۶، ۳۸۷ اور کلیات، جلد نمبر ۳، ص ۴۸۲

۵۸۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۱۸

۵۹۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۳۵۸

۶۰۔ کلیات، جلد نمبر ۱۳، ص ۴۸۱

۶۱۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۲۹۰

۶۲۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۳۸۷

۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ ایضاً، ص ۳۷۳

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ ایضاً

۶۷۔ فردیت (Individuation): یہ ٹونگی نفسیات کی انتہائی اہم اصطلاح ہے۔ ٹونگ کے مطابق یہ تکمیل ذات کا وہ مرحلہ ہے جس میں شخصیت اپنی پختگی و بلوغت کے آخری درجے پر پہنچ جاتی ہے، اصل میں یہی صحت مند زندگی کا منشا و حاصل ہے۔ ایضاً

۶۸۔ کلیات، جلد نمبر ۱۰، ص ۲۴۴

۶۹۔ کلیات، جلد نمبر ۱۱، ص ۲۸

۷۰۔ کلیات، جلد نمبر ۹(۲)، ص ۶۲

۷۱۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۳۵۲

۷۲۔ کلیات، جلد نمبر ۹(۲)، ص ۳۵۵

۷۳۔ کلیات، جلد نمبر ۱۱، ص ۲۸

۷۴۔ محاسبہ ذات (Introspection)، ایضاً

۷۵۔ کلیات، جلد نمبر ۱۲، ص ۷۴

۷۶۔ کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۱۹۵

۷۷- کلیات، جلد نمبر ۹ (۲)، ص ۶۲

۷۸- کلیات، جلد نمبر ۱۲، ص ۶۰

۷۹- یہ جملہ اور 'دوسروں سے ہدایت یابی' (Other Directedness) کا تصور (Reisman et al 1955) میں تفصیلی حوالے سے بیان ہوا ہے۔

۸۰- کلیات، جلد نمبر ۹ (۲)، ص ۶۲

۸۱- کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۳۹۱

۸۲- کلیات، جلد نمبر ۱۶، ص ۳۲۹

۸۳- ایضاً

۸۴- کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۳۵۹

۸۵- کلیات، جلد نمبر ۷، ص ۱۹۶